بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

اس سلسلہ میں بعض باتیں دعوت کی زبان اور انبیاء کے طرزِ کلام اور طریقِ استدلال سے متعلق بھی جان لینی ضروری ہیں۔ ایک داعی کا مقصد مجرد ایک حقیقت کو ظاہر کر دینا ہی نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ ہوتا ہے کہ وہ حقیقت پوری طرح آشکارا ہو جائے تاکہ خواص بھی اس کو اچھی طرح سمجھ لیں اور عوام کے لیے بھی اس کے سمجھنے میں کوئی دقت نہ رہ جائے۔ نیز یہ کہ وہ حقیقت نہایت خوبصورت طریق پر ظاہر ہو تاکہ سننے والوں میں سے جن کے دلوں میں قبولِ حق کی کچھ بھی صلاحیت ہے وہ اس کو قبول کر لیں اور اعراض کرنے والوں کے اعراض کے لیے ان کی بد ذوقی اور ہٹ دھرمی کے سوا اور کوئی وجہ باقی نہ رہ جائے۔ اس مقصد کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ دعوت کی زبان موثر اور داعی کا طرزِ استدلال فطری اور دلنشین ہو۔ لیکن تاثیر اور کشش پیدا کرنے کے بہت سے مصنوعی اور غیر فطری طریقے بھی ہیں جن سے کلام میں ایک ظاہری کشش اور دلفریبی پیدا کی جا سکتی ہے۔ مثلاً عرب جاہلیت میں کاہن لوگ سجع آرائی اور قافیہ پیمائی سے اپنے کلام میں شان پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ خطباء اپنی لفاظی اور آتش بیانی سے اپنے کلام کے زور و اثر کو بڑھاتے تھے۔ شعراء اپنی مبالغہ آرائی اور رندی و ہوسناکی کی دعوت سے لوگوں کو وجد میں لاتے تھے۔ اسی طرح اس زمانہ میں واعظ اور خطیب شعروں اور قصوں کی مدد سے اپنے کلام میں تاثیر پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اخبار نویس اور سیاسی مقررین جھوٹ اور مبالغہ سے اپنی دوکان چلاتے ہیں۔ اشتہاری دوا فروش جھوٹی قسموں سے اپنا اعتبار بڑھاتے ہیں۔ ان چیزوں سے کلام میں ایک اثر تو ضرور پیدا ہو جاتا ہے لیکن ان کی حقیقت جھوٹے طمع سے زیادہ نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے جو لوگ دنیا میں حق کی دعوت کے لیے اٹھتے ہیں نہ تو یہ بات ان کے شایانِ شان ہے کہ ان مزخرف چیزوں سے

اپنی دعوت کی رونق بڑھائیں اور نہ وہ اپنی زبان اور اپنے کلام کو ان چیزوں میں سے کسی چیز سے آلودہ کرتے۔ بلکہ ان جھوٹی اور نمائشی چیزوں کی جگہ وہ اس مقصد کے لیے دوسری چیزیں اختیار کرتے ہیں جو نہ صرف یہ کہ جائز اور صحیح ہوتی ہیں بلکہ فطرت انسانی کے ساتھ وہ گہری مناسبت بھی رکھتی ہیں اور اس وجہ سے ان سے جو اثر پیدا ہوتا ہے وہ جھوٹے ملمعوں کی طرح ایک ہی رگڑ میں اڑ نہیں جاتا بلکہ امتحان کی بھٹیوں میں جلنے کے بعد اس کا جوہر اور زیادہ نکھر کے سامنے آتا ہے۔

یہ بات کہ دعوت کا کام صرف اس طرز کے کلام سے نہیں چل سکتا جو علمی اور مجلسی قسم کی بحثوں کے لیے موزوں ہے اس قدر واضح ہے کہ اس پر کسی بحث کی گنجائش نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک داعی کا کام واقعات کی روایات کرنے والے مورخ، قانون کی دفعات مرتب کرنے والے مقنن اور فلسفہ و ریاضی کے مسائل بیان کرنے والے ایک فلسفی اور عالم ریاضی سے بالکل مختلف ہے۔ ایک طرف تو اس کا موضوع اتنا وسیع ہوتا ہے کہ ساری انسانی زندگی اس کے تحت آجاتی ہے، دوسری طرف اس کے مخاطب طبیعت و مزاج کے لحاظ سے بھی مختلف ہوتے ہیں اور ذہن و ادراک کے اعتبار سے بھی متفاوت ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں اپنے مشن کے ساتھ اس کا لگاؤ بھی اس طرح کا نہیں ہوتا جس طرح کا لگاؤ ایک مجلسی مضمون نگار کو اپنے مضمون کے ساتھ یا ایک وکیل کو اپنے مقدمہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ بلکہ وہ اُس کے لیے زندگی اور موت کا سودا ہوتا ہے اور اس کی تکمیل کے لیے اسے جی جان کی بازی لگانی پڑتی ہے۔ ایسی حالت میں نہ تو وہ اتنی بات پر قانع ہو سکتا کہ جو بات اسے کہنی ہے کسی نہ کسی طرح ایک مرتبہ کہہ ڈالے اور نہ اتنے سے اس کا کام ہی بن سکتا بلکہ لازماً اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ جس بات کو بھی کہے ایسی وضاحت و خوبی کے ساتھ کہے کہ اس کا کوئی پہلو گنجلک نہ رہ جائے اور ایسے موثر اور دلنشین انداز میں پیش کرے کہ جس دل کے اندر سماعت حق کی ادنیٰ صلاحیت بھی ہو اس میں گھر کر جائے۔ چنانچہ اسی جذبہ کے ماتحت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا فرمائی کہ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي يَفْقَهُوا قَوْلِي (اے میرے پروردگار، میرے سینے کو کھول دے، میرے کام کو (دعوتِ حق کے کام کو) آسان کر اور میری

زبان کی گرہ کھول دے کہ لوگ میری بات اچھی طرح سمجھ لیں) نیز حضرت ہارون کے لیے دعا فرمائی کہ ان کو میرے اس کام میں شریک کر دے تاکہ ان کی زبان آوری میرے نقصِ گویائی کی تلافی کر سکے اور یہ دعوت کا کام جو میرے سپرد کیا گیا ہے ناتمام نہ رہ جائے۔

اب ہم بالاختصار ان چیزوں کی طرف اشارہ کریں گے جو انبیاء اور حق کے داعیوں کے کلام اور طرزِ استدلال کی خصوصیات میں سے ہیں اور جن کو ان کے کلام کی تاثیر میں، ان کی اعلیٰ سیرت اور پاکیزہ تعلیم کے سوا، ہر چیز سے زیادہ دخل ہے اور جن سے کوئی داعیِ حق بھی کسی زمانہ میں مستغنی نہیں ہو سکتا۔

۱۔ سب سے پہلی چیز جو ہمیشہ انبیاء اور حق کے داعیوں کی خصوصیات میں سے رہی ہے یہ ہے کہ انھوں نے جس قوم کو دعوت دی ہے اسی کی زبان میں دعوت دی ہے تاکہ قوم کے ہر گروہ اور ہر طبقہ پر اللہ کی حجت پوری ہو سکے۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ۔ (اور ہم نے نہیں بھیجا کوئی رسول مگر اس کی قوم کی زبان کے ساتھ تاکہ وہ ان پر اچھی طرح حق کو واضح کر سکے)۔ جس طرح یہ بات بالکل فطری اور معقول معلوم ہوتی ہے کہ ہر داعیِ حق کی دعوت کا اصل میدان اس کی قوم کو ہونا چاہیے اور اپنی قوم کو گمراہی میں چھوڑ کر اس کے لیے یہ بات زیبا نہیں ہے کہ وہ دوسروں کو کلمۂ نصیحت سنانے کے لیے خشکی و تری کا سفر کرے، اسی طرح یہ بات بھی بالکل فطری اور معقول معلوم ہوتی ہے کہ ہر داعیِ حق کو اپنی قوم کی زبان ہی کو اس کے اندر دعوت کا ذریعہ بنانا چاہیے۔ جو لوگ ان باتوں کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ اصلی حقداروں کی حق تلفی بھی کرتے ہیں اور اپنی صلاحیتِ کار کو برباد بھی کرتے ہیں اور ان دونوں باتوں کے لیے وہ عنداللہ مسئول ہوں گے۔ ہر آدمی جس قوم کے اندر پیدا ہوتا ہے اور اُن سے جس زبان کو اخذ کرتا ہے اس کے اندر کام کرنے کی جو صلاحیت وہ رکھتا ہے یا حاصل کر سکتا ہے دوسری قوم یا دوسری زبان کے اندر وہ مشکل ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اس وجہ سے ہر داعیِ حق کے لیے صحیح طریق کار یہی ہے کہ وہ اپنی قوم کی زبان ہی کو اپنی دعوت و تبلیغ کا ذریعہ بنائے اور اس بات کی ہرگز پروا نہ کرے کہ کوئی دوسری زبان اس کی اپنی زبان سے زیادہ ترقی یافتہ اور وسیع ہے اور اس میں تقریر کرنا یا مضمون

لکھنا زیادہ وسیع حلقہ تک اپنے خیالات کو پہنچانے اور زیادہ عزت و شہرت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ ایک داعی حق کے پیش نظر اولین شے یہ نہیں ہوتی کہ جو دعوت وہ لے کر اٹھا ہے اس کے زیادہ سے زیادہ کانوں تک پہنچ جانے کا ذریعہ کیا ہو سکتا ہے بلکہ وہ سب سے پہلے یہ دیکھتا ہے کہ جن لوگوں کی ہدایت و خدمت پر وہ خدا اور فطرت کی طرف سے مامور ہے ان کے دلوں میں گھسنے کا سب سے زیادہ موثر اور قریبی ذریعہ کیا ہے۔ اگر وہ ذریعہ تنگ اور محدود ہے اور اس کے اختیار کرنے سے اس کی شہرت اور شخصیت کو نقصان پہنچتا ہے تو وہ اس کی پروا نہیں کرتا بلکہ اسی کو اختیار کرتا ہے کیونکہ جو مقصد اس کے پیش نظر ہے اس کے حاصل ہونے کا ذریعہ وہی ہے۔ جس دہقان کی جھولی میں چند بیج ہیں اور ان کو بہرحال وہ اپنے چھوٹے سے کھیت ہی میں بونا چاہتا ہے اسے اس سے کیا غرض کہ آج دنیا میں تخم ریزی کے ایسے آلات بھی پیدا ہو گئے ہیں جو چشم زدن میں ایک وسیع رقبہ کے اندر تخم ریزی کر دیتے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ "میرے پاس جو روٹی ہے وہ بچوں ہی کے لیے کافی ہے، میں اس کو کتوں کے آگے ڈال کر بچوں کو بھوکا نہیں رکھ سکتا"۔ حضرت کے اس قول پر بعضوں نے نافہمی سے اعتراضات کیے ہیں اور ان پر العیاذ باللہ تنگ نظری کا الزام لگایا ہے۔ حالانکہ یہ بات بالکل حقیقت ہے۔ ہر آدمی کے کام کرنے کا ایک فطری دائرہ ہے اور وہ صحیح اور نتیجہ بخش کام اسی وقت تک کر سکتا ہے جب تک اپنی جد و جہد کو اس دائرہ کے اندر محدود رکھے۔ اگر وہ اس سے بڑھکر ہاتھ پاؤں مارنے کی کوشش کرتا ہے تو حقیقت میں اپنی طاقت برباد کرتا ہے اگرچہ وہ اس مغالطہ میں مبتلا ہوتا ہے کہ اب اس کی جد و جہد کا میدان پہلے کی نسبت زیادہ وسیع ہو گیا ہے۔ ہمارے اس ملک میں بھی جو لوگ کسی حق یا باطل دعوت میں اپنا سرمایۂ زندگی لگائے ہوئے ہیں وہ وقت کی ترقی یافتہ زبانوں میں کام کرنے کے باوجود اپنے اظہار خیال کا ذریعہ انہی لوگوں کی زبان کو بنائے ہوئے ہیں جن کے اندر انھیں کام کرنا ہے اور ان کو ہرگز اس بات کی پروا نہیں ہے کہ ایک محدود زبان میں کام کرنے کی وجہ سے ان کی شہرت و عظمت کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ البتہ جن لوگوں کے اندر ابھی مقصد کا سچا عشق نہیں پیدا ہوا ہے وہ ہوا میں اڑ رہے ہیں اور شاید اسی طرح اڑتے رہیں گے۔

---

(۲) انبیا اور داعیوں کے کلام کی دوسری خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ ان کا کلام، کلام مبین ہوتا ہے۔ کلام مبین سے مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے وقت کی اس بولی میں گفتگو کرتے ہیں جو زیادہ سے زیادہ خوبی اور صفائی کے ساتھ حرف مدعا کو قوم کے ہر حلقہ تک پہنچا سکے۔ اس میں نہ اغلاق و ابہام ہوتا ہے نہ غیر ضروری طوالت، نہ استعارات و تشبیہات کی کثرت ہوتی ہے نہ عقل آزما تلمیحات کی زیادتی۔ نہ ثقیل اور غیر مانوس الفاظ کی بھرمار ہوتی ہے نہ رکاکت ابتذال کا کوئی شائبہ۔ ڈھلی ہوئی زبان، بے تکلف استعارے حقیقت کو مجاز کے بھیس میں دکھا دینے والی تشبیہیں اور تمثیلیں، مزید برآں سختی کے بجائے دلسوزی خشونت کے بجائے لینت اور آرائش بیان کے بجائے سادگی اور صفائی۔ وہ اپنے وقت کی مختلف طرزوں (سٹائل) میں سے اس طرز کو اختیار کرتے ہیں جو وقار، اثر انگیزی، اور وضاحت مقصد کے لیے سب سے زیادہ موزوں اور اعلیٰ ہوتی ہے پھر اپنے نفس کی بلندی، اپنے ولولۂ دعوت کی گرمی و دلسوزی اور اپنے علم کی یقین آفرینی اور ایمان بخشی اور سب سے زیادہ اپنے مدعا کو سمجھانے کی گہری خواہش سے اس کو اس قدر ترقی دیتے ہیں کہ ایک نیا اسٹائل پیدا ہو جاتا ہے جو خود نمونہ اور مثال کا کام دینے لگتا ہے۔ اس سٹائل کی اصلی خصوصیت اس کی دلنشینی اور افہام کی صلاحیت ہے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اس کی روانی اور سادگی کی وجہ سے اس میں ایسی ادبی خوبی پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کے آگے بڑے بڑے ادیبوں کے کلام بالکل بے جان معلوم ہونے لگتے ہیں۔ اس کے لفظ لفظ سے رس ٹپکتا ہے اور فقرہ فقرہ سے روح کو غذا ملتی ہے۔ اس کی تاثیر سے نہ صرف افراد کی بلکہ قوموں کی زندگیاں تبدیل ہو جاتی ہیں اور ایک داعی حق کے ہاتھ میں یہ وہ طاقت ہے جس کا مسلح فوجیں بھی مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ یہی وجہ ہے کہ انبیا نے جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے، اس کے لیے دعا میں کی ہیں۔ لیکن ہمارے ملک میں دعوت دین کی اس مظلومیت پر ترس آتا ہے کہ یہاں جو حضرات اس فرض کو انجام دے سکتے تھے یعنی علمائے دین وہ ہمیشہ اپنی کج مج بیانی کے لیے بدنام رہے ہیں۔ اولاً تو یہ حضرات اس زبان میں لکھنے اور بولنے ہی کو کسر شان سمجھتے رہے جس زبان کو یہاں "لسان قوم" کی حیثیت حاصل تھی ثانیاً اگر اس میں لکھنا اور بولنا شروع بھی کیا تو ان کی ایک خاص زبان بن گئی

جو اپنی ثقالت، خشکی اور غیر ضروری طوالت یا مانع فہم ایجاز کے لیے مشہور ہے۔ اور کسی کتاب سے بدگمان کر دینے کے لیے یہ فقرہ بالکل کافی ہوتا ہے کہ اس کا طرز تحریر بالکل "مولویانہ" ہے۔ یہ صورت حالات بجائے خود نہایت رنجدہ تھی لیکن مزید ستم یہ ہوا کہ یہ حضرات تو اپنی "ثقل زبانی" کے لیے بدنام رہے اور جو گروہ مذہب سے بے تعلق یا اس کا مخالف تھا اس نے قوم کی زبان پر قبضہ کر لیا اور اب تک بظاہر اسی کا قبضہ چلا آ رہا ہے۔

۳۔ انبیاء اور حق کے داعیوں کے کلام کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے ایک مقصد کی طرف ہزار راہوں سے آتے ہیں۔ قرآن مجید کی اصطلاح میں اس چیز کو تصریف آیات سے تعبیر کیا گیا ہے، یعنی ایک مدعا کو مختلف اسلوبوں اور پہلوؤں سے سمجھانے کی کوشش کرنا۔ میر انیس مرحوم کے الفاظ میں:

ع ایک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں

داعی کے کلام میں یہ گوناگونی اس کے اصل مقصد یعنی افہام اور اتمام حجت کے لحاظ سے ضروری ہے۔ جو بات ایک پہلو سے نہیں سمجھ میں آتی وہی بات جب دوسرے پہلو سے سامنے آتی ہے تو اس طرح دل میں اتر جاتی ہے گویا ہمارے ہی دل کی بات تھی۔ آدمیوں کے مذاق طبیعت اور رجحان کی طرح ان کے دماغ کے کینڈے مختلف ہوتے ہیں اور حالات کے اختلاف سے ان کے رخ بدلتے رہتے ہیں۔ اس وجہ سے لازمی ہے کہ جو شخص ان کے دل میں کوئی بات، مسلک زندگی کی حیثیت سے اتارنے کا درد رکھتا ہو ان کے کینڈے کے اختلاف اور رخ کی تبدیلی کے لحاظ سے مختلف سمتوں سے ان کے پاس آئے۔ اگر ایک ہی راہ سے، ایک ہی رنگ میں آئے گا، تو ایک داعی کی حیثیت سے وہ اپنے مقصد میں بالکل ناکام رہے گا کیونکہ اس کی یہ یکرنگی اس فطرت کے بالکل خلاف ہے جو اپنے ہر گوشہ میں تنوع پسند اور رنگا رنگ واقع ہوئی ہے۔ جو لوگ داعی کے فرض کی نوعیت اور انسانی فطرت کے ان احوال سے واقف نہیں ہیں ان کے سامنے جب

داعیانہ کلام آتا ہے تو وہ اس پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں کہ اس میں غیر ضروری طوالت ہے، اس میں ایک ہی بات کی تکرار ہے، یہ تھکا دینے والا ہے وغیرہ وغیرہ۔ وہ اس بات پر نہیں غور کرتے کہ ایک داعی کا کام ایک اکیڈمک طرز کے مضمون نگار سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ اُس کے پیشِ نظر صرف چند یکرنگ آدمیوں کے سامنے اپنے خیال کو ظاہر کرنا ہوتا ہے اور اِس بیچارے کو مختلف المزاج، مختلف الفطرت اور مختلف الاستعداد دلوں کے اندر اپنی بات اتارنے کے لیے راہ پیدا کرنی پڑتی ہے۔ اُس کی کامیابی کے لیے یہ بس ہے کہ اس نے اپنا مافی الضمیر ایک خوبصورت اسلوب سے ادا کر دیا اور اس کی کامیابی کے لیے یہ شرط ہے کہ دوست دشمن سب پکار اٹھیں کہ تو نے پہنچانے کا حق ادا کر دیا۔ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۔ اسی طرح ہم اپنے دلائل مختلف ڈھنگ سے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ اچھی طرح سمجھ جائیں اور پکار اٹھیں کہ تم نے سنانے کا حق ادا کر دیا اور تاکہ ان لوگوں کے لیے جو علم حاصل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں ہم پوری طرح اس کو واضح کر دیں

۴۔ دعاۃ حق کے کلام کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ جس طرح وہ حجت و استدلال سے مملو ہوتا ہے اسی طرح جوش اور جذبہ سے بھی لبریز ہوتا ہے۔ وہ خشک فلسفیوں کی طرح صرف عقل ہی کو خطاب نہیں کرتے بلکہ انسان کے اعلیٰ جذبات سے بھی اپیل کرتے ہیں۔ جذبات سے اپیل کرنا کوئی برائی نہیں ہے۔ برائی اگر ہے تو انسان کے حیوانی جذبات سے اپیل کرنا ہے جس سے اہلِ حق ہمیشہ احتراز کرتے رہے ہیں۔ انسان کے اندر اصلی محرک طاقت عقل نہیں ہے بلکہ جذبات ہیں۔ اس وجہ سے کوئی داعی، جو زندگی کے نظام میں کسی تبدیلی کی دعوت لے کر اٹھا ہو یا پورے نظامِ زندگی کو ڈھا کر اس کو از سرِ نو نئی بنیادوں پر قائم کرنا چاہتا ہو، بغیر جذبات کو ابھارے اپنے مقصد کی راہ میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ جو حضرات اپنی علمی تحقیقات کے نوادر و لطائف بیان کر کے دوسروں کو محظوظ کر دینے اور اپنا جی خوش کر لینے کو مقصودِ زندگی بنائے ہوئے ہیں وہ اس داعیانہ رنگ کو "مدعیانہ رنگ" سے تعبیر کرتے ہیں حالانکہ ایک داعی کے کلام میں جو جوش و جذبہ ہوتا ہے وہ ادعا کا نتیجہ نہیں

ہوتا ہے بلکہ یا تو یہ اس کے اس اعتقاد راسخ (Conviction) کا نتیجہ ہوتا ہے جو اس کے دل کے اندر جوش مار رہا ہوتا ہے یا اس ہمدردی اور دل سوزی کا اثر ہوتا ہے جس کی آگ اس کے سینہ کے اندر بھڑک رہی ہوتی ہے۔ جو لوگ ایک داعی کی اس خاص حالت سے واقف نہیں ہوتے اور محض قرطاس و قلم کے مشغلہ کے اشتراک کی وجہ سے اسے بھی اپنا ایک ہم مشرب سمجھے بیٹھے ہوتے ہیں وہ جب دیکھتے ہیں کہ اس کا کلام ان کے کلام کی طرح مردہ اور بے روح نہیں ہے بلکہ زندہ اور زندگی بخشنے والا ہے تو وہ اس کے جوش کو غرور اور ادعا پر محمول کرتے ہیں حالانکہ ان کا یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ شکل و صورت کے اتحاد کے باوجود سیرتیں مختلف ہوتی ہیں۔ کچھ ضرور نہیں کہ ہر سفید چیز چربی ہی ہو۔

تو و طوبی و ما و قامت یار ۔۔۔ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق روایات میں آتا ہے کہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا خطب احمرت عیناہ وعلا صوتہ واشتد غضبہ حتی کانہ منذر جیش یقول صبحکم ومساکم۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے آنکھیں سرخ ہو جاتیں، آواز بھاری ہو جاتی جوش تیز ہو جاتا یہاں تک معلوم ہونے لگتا کہ آپ کسی دشمن فوج کے آپڑنے کے خطرہ سے آگاہ کر رہے ہیں فرماتے وہ تم پر صبح کو آپڑے یا شام کو"۔ ظاہر ہے کہ آپ کے کلام میں یہ گرمی آپ کے یقین اور قوم کے ساتھ ہمدردی کے جذبہ سے پیدا ہوتی تھی اور ہر سچے داعی پر اس طرح کی حالت طاری ہو سکتی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ بعض لوگ بالکل نمائشی طور پر اس جوش و جذبہ کا اظہار کرتے ہیں بلکہ بسا اوقات دعاوی اور شطحات پر اتر آتے ہیں لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر شخص ایسا ہی ہو۔ جو لوگ جھوٹے ہوتے ہیں وہ زیادہ دنوں تک اپنے جھوٹ کو چھپا نہیں سکتے۔ زمانہ کھرے کھوٹے میں امتیاز کر ہی لیتا ہے۔ کوا نمائشی پر لگا کر کب تک طاؤس بنا پھرے گا!

۵۔ پانچویں خصوصیت ان کے کلام کی یکرنگی اور وحدتِ مقصد ہے۔ وہ اپنے ترکش کا ہر تیر ایک ہی نشانہ پر مارتے ہیں۔ پیشہ ور مضمون نگاروں اور مقرروں کی طرح ان کا طریقہ یہ نہیں ہوتا کہ آپ ان

جس پلیٹ فارم پر چاہیں تقریر کرالیں، جس عنوان پر چاہیں مضمون لکھالیں اور جس جلسہ کی چاہیں صدارت کرالیں۔ وہ اپنے لفظ لفظ اور فقرہ فقرہ کو اللہ کی دی ہوئی امانت سمجھتے ہیں اور اس کے مصرف کے سوا کہیں اس کو ضائع نہیں کرتے۔ آپ ان کی ہر تحریر و تقریر میں ایک ہی صدا پائیں گے۔ دوسرے موضوع کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں ان پر تقریر و تحریر سے کتنی ہی بڑی عزت و شہرت کیوں نہ حاصل ہوتی ہو اور گرچہ بظاہر ان میں دینی و ملی فوائد کا کوئی پہلو بھی کیوں نہ نظر آتا ہو لیکن وہ کسی غیر متعلق یا ضمنی چیز پر اپنی زبان اور قلم کی قوت صرف نہیں کرتے۔ اس چیز کو قرآن نے فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ "ہر وادی میں بھٹکنے" سے تعبیر کیا ہے اور انبیاء اور صلحاء کو اس سے بری قرار دیا ہے۔ اس دنیا کی پوری تاریخ شاہد ہے کہ اس دنیا میں برا یا بھلا کوئی انقلاب اگر پیدا ہوا ہے تو ان لوگوں کے زبان و قلم سے ہوا ہے جنھوں نے اپنی ساری قوت کسی تعین ہدف پر صرف کی ہے، یوں ہی ہوا میں تیر نہیں پھینکتے رہے ہیں۔

۶۔ چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے کلام کو ہر اس چیز سے پاک رکھتے ہیں جو مخاطب کے اندر ضد اور مخالفت کا جذبہ پیدا کرے کیونکہ یہ چیز ان کے مقصد کے بالکل خلاف ہے۔ مثلاً مخاطب سے گفتگو کے وقت نہ تو اپنی برتری کا اظہار کرتے نہ اس کی غلط زندگی پر بانداز استخفاف تنقید کرتے بلکہ جو کچھ کہتے ہیں نرمی اور ہمدردی کے ساتھ کہتے ہیں۔

اِذْهَبَا اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى

فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہو گیا ہے، اور اسے نرمی سے سمجھاؤ تاکہ یاد دہانی حاصل کرے یا ڈرے۔

اسی طرح وہ اپنی زبان سے کوئی ایسی بات نہیں نکالتے جس سے مخاطب کے مذہبی جذبات کو ٹھیس لگے۔ دلائل سے اس کے غلط معبودات کی پرزور تردید تو کرتے ہیں لیکن خواہ مخواہ سخیف الفاظ استعمال کر کے اپنے مقصد کو خود نقصان نہیں پہنچاتے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ

اور جن کو وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں ان کو گالی نہ دو کہ وہ بے جانے بوجھے اللہ کو گالی دینے لگیں۔

مخاطب کی ترش کلامی اور بدسلوکی کا جواب بھی شیریں کلامی سے دیتے ہیں کیونکہ ایک داعی حق کے لیے دلوں کے اندر راہ پانے کا طریقہ یہی ہے۔

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

برائی اور بھلائی دونوں یکساں نہیں ہو سکتیں برائی کو بھلائی سے دفع کرو تو تم دیکھو گے کہ جو تمہارا دشمن تھا اب وہ تمہارا دوست بن گیا ہے۔ اور یہ حکمت صرف ان لوگوں کو ملتی ہے جو صبر کرنے والے ہوتے ہیں اور ان کو ملتی ہے جو بڑے نصیبہ ور ہوتے ہیں۔ اگر تمہارے دل میں شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پیدا ہی ہو جائے تو اللہ کی پناہ ڈھونڈو وہ سنتا اور جانتا ہے

مناظرانہ انداز کلام سے ہمیشہ بچتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر مخاطب کے متعلق معلوم ہو جائے کہ وہ مناظرہ پر اتر آیا ہے تو داعی حق سلام کر کے وہاں سے چل دیتا ہے کیونکہ مناظرہ اور دعوت حق میں تضاد ہے۔

فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُسْتَقِيمٍ وَإِنْ جَادَلُوكَ فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ

پس وہ اس معاملہ میں تم سے جھگڑنے کی کوئی راہ نہ پائیں اور تم اپنے رب کی طرف دعوت دو، تم ایک سیدھی راہ پر ہو۔ اگر وہ تم سے مناظرہ کرنا چاہیں تو کہہ دو اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو تمہارے درمیان قیامت کے روز فیصلہ کریگا ان چیزوں کے بارہ میں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو

مناظرہ اگر کرتے بھی ہیں تو نہایت بہتر طریق پر یعنی اپنے اور مخاطب کے درمیان قدر مشترک تلاش کر کے اس کے لوازم و نتائج کی دعوت دیتے ہیں۔

وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ وَقُولُوا آمَنَّا بِالَّذِي أُنزِلَ إِلَيْنَا وَأُنزِلَ إِلَيْكُمْ وَإِلَٰهُنَا وَإِلَٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ

(۴۶ عنکبوت)

اور اہل کتاب سے مناظرہ نہ کرو مگر اس طریق پر جو بہتر ہے سوا ان کے جنھوں نے ظلم کیا ان میں سے اور کہو ہم ایمان لائے اس چیز پر جو ہم پر اتاری گئی اور تمہاری طرف اتاری گئی اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہے اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں

۷۔ داعیِ حق کے کلام کی ساتویں خصوصیت یہ ہے کہ وہ لفظ اور معنی، طول اور اختصار، انداز بیان اور لب و لہجہ میں سننے والے کی نفسیات کا لحاظ رکھتا ہے۔ مثلاً حضور نے فرمایا خوش خبری دو، لوگوں میں نفرت نہ پیدا کرو۔

اسی طرح آپ نے تاکید فرمائی کہ جب نصیحت کرو تو مختصر کرو:

خطبہ کے اختصار کو خطیب کی فقاہت کی علامت قرار دیا۔

یقول ان طول صلوٰۃ الرجل و قصر خطبتہ مئنۃ من فقھہ فاطیلوا الصلوٰۃ واقصروا الخطبۃ وان من البیان لسحرا

فرماتے تھے آدمی کی نماز کا طویل ہونا اور خطبہ کا مختصر ہونا اس کی فقاہت کی علامت ہے تو نماز کو لمبی کرو اور خطبہ کو مختصر کرو اور بعض بیان جادو ہوتے ہیں۔

اگر مخاطب کم فہم ہو یا بات باریک ہو تو اس کی تکرار اولیٰ ہے۔

کان النبی صلے اللہ علیہ وسلم اذا تکلم بکلمۃ اعادھا ثلاثاً حتی تفھم عنہ . . . .

آنحضرت کوئی بات فرماتے تھے تو اسے تین بار دہراتے تھے تاکہ خوب سمجھ میں آجائے . . .

یہ چند باتیں دعوت کی زبان سے متعلق قابل لحاظ ہیں۔ آئندہ صحبت میں داعی کے طرز استدلال سے متعلق انشاء اللہ چند ضروری باتیں آئیں گی۔